ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 466

Program: B.A

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: کتب خانوں کی تاریخ بحوالہ پاکستان (466) • سطح: بی اے

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: مختصر نوٹ: مٹی کی تختیاں، حصولِ مواد، علم کی اقسام، عالمگیر کا کتب خانہ (20 نمبر)

سوال نمبر 1: مندرجہ ذیل موضوعات پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔ (20)

(1) مٹی کی تختیاں (2) حصولِ مواد (3) علم کی اقسام (4) عالمگیر کا کتب خانہ

تعارف

کتب خانوں کی تاریخ دراصل انسانی علم کے تحریری ریکارڈ کی تاریخ ہے۔ انسان نے جب اپنے تجربات، قوانین، حسابات اور مذہبی تعلیمات کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس کی تو لکھنے کے مختلف ذرائع ایجاد ہوئے اور انہی ذرائع کو جمع کر کے رکھنے کی جگہ کتب خانہ کہلائی۔ اس سوال میں چار ایسے بنیادی موضوعات پر نوٹ مطلوب ہیں جو کتب خانوں کی ابتدائی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہیں: مٹی کی تختیاں قدیم ترین تحریری ریکارڈ کی نمائندہ ہیں، حصولِ مواد ہر کتب خانے کا پہلا عملی کام ہے، علم کی اقسام بتاتی ہیں کہ کتب خانوں میں کس کس نوعیت کا علم محفوظ ہوتا رہا، اور عالمگیر کا کتب خانہ برصغیر میں مغل دور کی علمی سرپرستی کی روشن مثال ہے۔ ذیل میں چاروں موضوعات پر مختصر مگر جامع نوٹ پیش کیے جاتے ہیں۔

(1) مٹی کی تختیاں

مٹی کی تختیاں تحریر کے قدیم ترین ذرائع میں سے ہیں۔ وادیِ دجلہ و فرات یعنی میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق) میں سمیری قوم نے تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح گیلی مٹی کی چپٹی تختیاں بنا کر ان پر کیل نما قلم سے نشانات بنانے کا طریقہ اختیار کیا، جسے خطِ میخی یا کیونیفارم کہا جاتا ہے۔ تحریر کے بعد تختیوں کو دھوپ میں سکھایا جاتا یا بھٹی میں پکایا جاتا تھا، جس سے وہ صدیوں تک محفوظ رہتی تھیں۔ ان تختیوں پر قوانین، تجارتی حسابات، خطوط، مذہبی دعائیں اور ادبی کارنامے درج ہوتے تھے۔ شاہ آشوربانی پال کے عظیم کتب خانے نینوا میں ہزاروں مٹی کی تختیاں ملی ہیں جو آج بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ مٹی کی تختیوں کی اہمیت یہ ہے کہ آگ اور وقت کی تباہ کاریوں کے باوجود یہ مواد محفوظ رہا، اور یہی تختیاں دنیا کے پہلے منظم کتب خانوں کی بنیاد بنیں۔ اس طرح مٹی کی تختی کو کتاب کی پہلی شکل اور کتب خانے کو اس کی حفاظت گاہ کہا جا سکتا ہے۔

(2) حصولِ مواد

حصولِ مواد سے مراد کتب خانے کے لیے کتابوں اور دیگر مطالعاتی مواد کا انتخاب اور ان کا حاصل کرنا ہے۔ یہ کتب خانے کی خدمات کی بنیاد ہے، کیونکہ قارئین کو وہی کچھ مل سکتا ہے جو کتب خانے نے حاصل کر رکھا ہو۔ قدیم دور میں حصولِ مواد کے ذرائع محدود تھے: حکمران اپنے خرچ پر کاتبین سے نسخے تیار کراتے، جنگی فتوحات میں دشمن کے

کتب خانے منتقل ہوتے، علما اپنے ذاتی ذخیرے وقف کر دیتے اور تجارتی قافلوں کے ذریعے دور دراز سے کتابیں آتی تھیں۔ دورِ حاضر میں حصولِ مواد ایک باقاعدہ شعبہ بن چکا ہے جس میں انتخاب کی پالیسی، بجٹ کی تقسیم، ناشرین اور کتاب فروشوں سے رابطہ، عطیات و تبادلے اور قانونی امانت (Legal Deposit) جیسے ذرائع شامل ہیں۔ اچھے حصولِ مواد کی شرط یہ ہے کہ کتابیں قارئین کی ضروریات، نصاب اور تحقیقی رجحانات کے مطابق منتخب کی جائیں، محض تعداد بڑھانا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ یوں حصولِ مواد کا معیار ہی کسی کتب خانے کے معیار کا تعین کرتا ہے۔

(3) علم کی اقسام

مسلم علمی روایت میں علم کی درجہ بندی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ عام طور پر علم کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: شرعی علوم اور غیر شرعی یا عقلی علوم۔ شرعی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جن کا ماخذ وحی ہے، جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور علمِ کلام۔ ان علوم کا مقصد دینی رہنمائی اور احکامِ شریعت کی وضاحت ہے۔ غیر شرعی یا عقلی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جو انسانی عقل، مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے فلسفہ، منطق، ریاضی، طب، فلکیات، کیمیا اور تاریخ۔ مسلم علما نے ان دونوں اقسام کو ایک دوسرے کا مخالف نہیں سمجھا بلکہ عباسی دور کے کتب خانوں اور بیت الحکمت میں دونوں طرح کی کتابیں یکجا محفوظ تھیں۔ اسی تقسیم کی بنیاد پر کتب خانوں میں کتابوں کی موضوعاتی ترتیب اور درجہ بندی بھی کی جاتی تھی۔ آج بھی علم کی اقسام کی یہ تفہیم کتب خانوں میں مواد کے انتخاب اور تنظیم میں رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

(4) عالمگیر کا کتب خانہ

مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر (1658ء تا 1707ء) اگرچہ اپنی مذہبی پابندی اور سادہ زندگی کے لیے مشہور ہیں، لیکن وہ علم دوست حکمران بھی تھے۔ ان کے شاہی کتب خانے میں دینی و فقہی کتب کا بڑا ذخیرہ تھا اور انہی کی سرپرستی میں فقہ کا عظیم مجموعہ فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا، جس کی تیاری میں درجنوں علما نے حصہ لیا اور اس کے نسخے شاہی کتب خانے کی زینت بنے۔ عالمگیر خود کتابوں کا مطالعہ کرتے، قرآن مجید کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھتے اور علما کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے عہد میں دکن کی مہمات کے دوران کئی مقامی کتب خانوں کا مواد بھی شاہی ذخیرے میں شامل ہوا۔ شاہی کتب خانے کا نگران باقاعدہ عہدے دار ہوتا تھا اور کتابوں کی فہرست سازی و مرمت کا انتظام

موجود تھا۔ عالمگیر کے کتب خانے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مغل دور کے آخری بڑے حکمران کے ہاں بھی کتب خانہ محض زینت نہیں بلکہ دینی و علمی پالیسی کا عملی ذریعہ تھا۔

اضافی بحث: ان موضوعات کی باہمی نسبت

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں موضوعات الگ الگ جزیرے نہیں بلکہ ایک ہی تاریخی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مٹی کی تختی اس دور کی نمائندہ ہے جب تحریر نئی نئی ایجاد ہوئی تھی اور مواد کی تیاری ہی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ حصولِ مواد کا تصور اسی وقت پیدا ہوا جب ذخیرے بننے لگے، کیونکہ ذخیرہ اسی وقت بنتا ہے جب حاصل کرنے کا شعوری فیصلہ ہو۔ علم کی اقسام اس مرحلے کی پیداوار ہیں جب ذخیرہ اتنا بڑھ گیا کہ اس کی درجہ بندی ناگزیر ہو گئی، اور عالمگیر کا کتب خانہ اس طویل سفر کا برصغیر میں ایک پختہ نمونہ ہے جہاں مواد بھی تھا، حصول کا نظام بھی اور علم کی درجہ بندی بھی۔ طالب علم اگر اس نسبت کو سمجھ لے تو اسے کتب خانوں کی تاریخ رٹنے کے بجائے ایک کہانی کی طرح یاد رہے گی، اور یہی اس سوال کی اصل تعلیمی قدر ہے۔ امتحانی نقطہ نظر سے بھی یہی باہمی ربط جواب کو سطحی فہرست سے بلند کر کے تجزیاتی نوٹ بنا دیتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مٹی کی تختیوں سے لے کر عالمگیر کے شاہی کتب خانے تک، ہر دور میں انسان نے علم کو محفوظ کرنے کے لیے اس دور کے بہترین ذرائع استعمال کیے۔ مٹی کی تختیوں نے تحریر کو بقا بخشی، حصولِ مواد نے کتب خانے کو زندہ اور مفید رکھا، علم کی اقسام نے مواد کی تنظیم کو سمت دی اور عالمگیر کا کتب خانہ اس بات کی دلیل ہے کہ برصغیر میں علمی سرپرستی مغل دور کے اختتام تک جاری رہی۔ ان چاروں موضوعات کا مطالعہ کتب خانوں کی طویل تاریخ کی جھلک پیش کرتا ہے۔

سوال نمبر 2: خالی جگہ پر کریں (20 نمبر)

سوال نمبر 2: خالی جگہ پر کریں۔ (20)

(1) پتھر پر لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ دیوار پر..... یا..... لکھا جاتا تھا۔

(2) کتب خانے ان ادوار میں قائم ہوئے جب..... اور..... بڑے پیمانے پر جاری تھیں۔

(3) قدیم دور میں کتب خانے صرف..... اور..... کی ملکیت تھے۔

(4) مشہور سیاح اور مورخ..... کے مطابق ارسطو کا کتب خانہ..... کے عظیم کتب خانہ کے قیام کے لیے ایک ماڈل ثابت ہوا۔

(5) شرعی علوم کا مطلب..... ہے جبکہ غیر شرعی سے مراد..... ہے۔

(6) ہارون الرشید کی وفات کے بعد جب..... برسر اقتدار آیا تو..... کو باہم عروج تک پہنچایا۔

(7) پانچویں صدی عیسوی کا دور قدیم ہندوستان کا..... کہا جاسکتا ہے۔

(8) سلاطینِ مغلیہ میں..... اپنی خوش مذاقی اور علمی ذوق کے لیے مشہور ہے۔

(9) پاکستان میں 1984-86 کے دوران..... اور..... کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا۔

(10) ..... 1970 کو قومی..... منظور ہوئی۔

تعارف

اس سوال میں کتب خانوں کی تاریخ کے مختلف ادوار سے متعلق دس جملے دیے گئے ہیں جن کی خالی جگہیں درست تاریخی معلومات سے پر کرنی ہیں۔ یہ جملے قدیم تہذیبوں، یونان و اسکندریہ، عباسی دور، قدیم ہندوستان، مغل دور اور پاکستان کے جدید دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہر جملہ پہلے مکمل صورت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ درست جواب واضح ہو جائے، اور پھر اس کی مختصر وضاحت بھی دی گئی ہے تاکہ طالب علم کو محض جواب نہیں بلکہ اس کا پس منظر بھی معلوم ہو سکے۔ جوابات کو جلی انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔

(1) پتھر پر تحریر

مکمل جملہ: پتھر پر لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ دیوار پر تصویریں یا علامتی نشانات لکھا جاتا تھا۔ وضاحت: تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان اپنے خیالات کا اظہار تصویروں اور نشانات کے ذریعے کرتا تھا۔ غاروں اور چٹانوں کی دیواروں پر بنی ہوئی تصویریں اسی تصویری تحریر کی مثالیں ہیں، جن میں شکار، جانوروں اور روزمرہ زندگی کے مناظر دکھائے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ تصویریں علامتوں میں بدلیں اور پھر حروف کی شکل اختیار کر گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر پر لکھی گئی تصویری تحریر کو انسانی تحریر کی پہلی سیڑھی قرار دیا جاتا ہے اور یہ کتب خانوی مواد کی قدیم ترین صورت ہے۔

(2) کتب خانوں کے قیام کے ادوار

مکمل جملہ: کتب خانے ان ادوار میں قائم ہوئے جب تجارت اور ثقافتی سرگرمیاں بڑے پیمانے پر جاری تھیں۔ وضاحت: کتب خانے ہمیشہ انہی معاشروں میں قائم ہوئے جہاں معاشی خوش حالی اور ثقافتی زندگی رواں دواں تھی۔ تجارت کی وسعت سے مختلف قوموں کے درمیان خیالات اور کتابوں کا تبادلہ ہوتا تھا، مسافر اور تاجر دور دراز کے علوم اپنے ساتھ لاتے تھے، اور مال دار طبقہ علمی اداروں کی سرپرستی کرتا تھا۔ میسوپوٹیمیا، مصر اور یونان کی مثالیں اسی اصول کی تصدیق کرتی ہیں کہ جہاں تجارت اور ثقافت پھلی پھولی، وہیں تحریری ذخیرے جمع ہوئے اور کتب خانے وجود میں آئے۔

(3) قدیم دور میں ملکیت

مکمل جملہ: قدیم دور میں کتب خانے صرف حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں (پجاریوں) کی ملکیت تھے۔ وضاحت: قدیم زمانے میں خواندگی عام نہیں تھی اور تحریری مواد تیار کرنا مہنگا اور مشکل کام تھا، اس لیے کتب خانے شاہی محلات اور مندروں و عبادت گاہوں تک محدود رہے۔ بادشاہ اپنے درباری ریکارڈ اور قوانین کے ذخیرے محفوظ رکھتے تھے جبکہ پجاری مذہبی کتابوں کے نگران ہوتے تھے۔ عام آدمی کی ان ذخائر تک رسائی نہیں تھی۔ یہی صورت حال صدیوں تک برقرار رہی اور عوامی کتب خانے کا تصور بہت بعد میں پیدا ہوا۔

(4)ارسطو کا کتب خانہ اور اسکندریہ

مکمل جملہ: مشہور سیاح اور مورخ اسٹرابو کے مطابق ارسطو کا کتب خانہ اسکندریہ کے عظیم کتب خانہ کے قیام کے لیے ایک ماڈل ثابت ہوا۔ وضاحت: یونانی جغرافیہ دان اور مورخ اسٹرابو نے لکھا ہے کہ ارسطو پہلا شخص تھا جس نے ذاتی کتب خانہ قائم کیا اور کتابوں کو منظم انداز میں جمع کیا۔ مصر کے بطلیموس حکمرانوں نے اسی نمونے پر اسکندریہ کا عظیم کتب خانہ قائم کیا، جہاں دنیا بھر سے کتابیں جمع کی گئیں۔ اس طرح ارسطو کا ذاتی ذخیرہ دنیا کے سب سے بڑے عوامی و تحقیقی کتب خانے کی بنیاد بنا اور کتب خانہ سازی کی تاریخ میں ایک سنگِ میل ثابت ہوا۔

(5) شرعی اور غیر شرعی علوم

مکمل جملہ: شرعی علوم کا مطلب دینی علوم (قرآن، حدیث اور فقہ) ہے جبکہ غیر شرعی سے مراد عقلی و دنیاوی علوم ہیں۔ وضاحت: مسلم علمی روایت میں علوم کی یہ تقسیم عام رہی ہے۔ شرعی علوم وہ ہیں جن کا تعلق وحی اور دینی احکام سے ہے، جبکہ غیر شرعی یا عقلی علوم میں فلسفہ، طب، ریاضی، فلکیات اور دیگر سائنسی و سماجی علوم شامل ہیں۔ یہاں غیر شرعی کا لفظ ممنوع کے معنی میں نہیں بلکہ محض درجہ بندی کے لیے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ مسلم علما نے دونوں قسم کے علوم حاصل کیے اور کتب خانوں میں دونوں کا ذخیرہ رکھا گیا۔

(6) ہارون الرشید کے بعد

مکمل جملہ: ہارون الرشید کی وفات کے بعد جب مامون الرشید برسر اقتدار آیا تو بیت الحکمت (ترجمے کی تحریک) کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ وضاحت: عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد میں بیت الحکمت کی بنیاد رکھی تھی، لیکن اس کے بیٹے مامون الرشید کے دور میں یہ ادارہ اپنے عروج کو پہنچا۔ مامون نے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کے عربی تراجم کے لیے مترجمین کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں، مباحثوں کی مجالس قائم کیں اور خود علمی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ اسی دور میں بغداد دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا اور اس کا کتب خانہ لاکھوں کتابوں پر مشتمل ہو گیا۔

(7) قدیم ہندوستان کا سنہری دور

مکمل جملہ: پانچویں صدی عیسوی کا دور قدیم ہندوستان کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔ وضاحت: پانچویں صدی عیسوی میں گپت سلطنت اپنے عروج پر تھی اور اس دور کو ہندوستان کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں بلند و بیسی درس گاہیں قائم ہوئیں، سنسکرت ادب نے ترقی کی، ریاضی میں صفر اور اعشاری نظام کی پیش رفت ہوئی اور آرٹ و ثقافت پھلے پھولے۔ درس گاہوں کے ساتھ بڑے کتب خانے بھی موجود تھے جہاں مذہبی و علمی نسخے محفوظ تھے۔ یہی وہ علمی فضا تھی جس نے اگلی صدیوں میں ہندوستان کو ایشیا کا علمی مرکز بنایا۔

(8) مغلیہ سلطان کا علمی ذوق

مکمل جملہ: سلاطینِ مغلیہ میں ہمایوں اپنی خوش مزاجی اور علمی ذوق کے لیے مشہور ہے۔ وضاحت: مغل شہنشاہ ہمایوں کتابوں سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے۔ وہ جنگی مہمات میں بھی اپنے ساتھ منتخب کتابوں کا ذخیرہ رکھتے تھے اور دہلی میں دین پناہ کے قریب اپنا مشہور کتب خانہ قائم کیا تھا۔ روایت ہے کہ ان کی وفات بھی اسی کتب خانے کی سیڑھیوں سے گرنے کے باعث ہوئی، جو ان کی کتاب دوستی کی دردناک مگر واضح دلیل ہے۔ ان کے علمی ذوق نے ان کے بیٹے اکبر کے عہد میں کتب خانے کی عظیم ترقی کی راہ ہموار کی۔

(9) پاکستان میں سہولتوں کا اضافہ

مکمل جملہ: پاکستان میں 1984-86 کے دوران کتب خانوں اور اطلاعاتی مراکز کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا۔ وضاحت: 1980ء کی دہائی میں حکومتِ پاکستان نے کتب خانوں کی ترقی کو منصوبہ بندی کا حصہ بنایا۔ اس دوران قومی و صوبائی سطح پر کتب خانوں کے بجٹ میں اضافہ ہوا، دستاویزی و اطلاعاتی مراکز قائم ہوئے اور کتب خانوی خدمات کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ اضافہ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ تعلیمی و تحقیقی ترقی کے لیے کتب خانوں اور معلومات تک رسائی کی سہولتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(10) قومی تعلیمی پالیسی1970ء

مکمل جملہ: جنوری1970ء کو قومی تعلیمی پالیسی منظور ہوئی۔ وضاحت: 1970ء میں حکومتِ پاکستان نے نئی قومی تعلیمی پالیسی منظور کی جس میں تعلیم کی ہمہ گیر ترقی کے ساتھ کتب خانوں کو تعلیمی نظام کا لازمی جزو قرار دیا گیا۔ پالیسی میں اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں کتب خانے قائم کرنے اور عوامی کتب خانوں کے جال کو وسعت دینے کی سفارشات شامل تھیں۔ اگرچہ عمل درآمد میں کوتاہیاں رہیں، مگر اس پالیسی نے کتب خانوں کی اہمیت کو سرکاری سطح پر تسلیم کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور بعد کی پالیسیوں کے لیے بنیاد فراہم کی۔

نتیجہ

ان دس جملوں کے جوابات مجموعی طور پر کتب خانوں کی تاریخ کا ایک مختصر نقشہ پیش کرتے ہیں: تصویری تحریر سے شروع ہونے والا سفر حکمرانوں اور پجاریوں کے محدود ذخائر سے گزرتا ہوا اسکندریہ اور بیت الحکمت جیسے عظیم مراکز تک پہنچا، ہندوستان کے سنہری دور اور مغل سرپرستی سے تقویت پائی اور جدید پاکستان میں پالیسی سازی کا موضوع بنا۔ طالب علم اگر ہر جواب کے ساتھ دی گئی وضاحت کو بھی ذہن نشین کر لے تو یہ سوال محض نمبروں کا ذریعہ نہیں رہے گا بلکہ پورے یونٹ کی دہرائی بن جائے گا۔

سوال نمبر3: مختصر نوٹ: پیپرس، کاغذی نشانات، علم کی فضیلت و اہمیت، سلاطینِ دہلی کے عہد میں درسگاہوں کا قیام (10 نمبر)

سوال نمبر3: مندرجہ ذیل عنوانات پر مختصر نوٹ لکھیں۔(10)

(1) پیپرس (2) کاغذی نشانات (3) علم کی فضیلت و اہمیت (4) سلاطینِ دہلی کے عہد میں درسگاہوں کا قیام

تعارف

اس سوال کے چار عنوانات کتب خانوں کی تاریخ کے چار مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں: پیپرس تحریری مواد کی تاریخ سے، کاغذی نشانات کتاب کی شناخت و تاریخ نویسی سے، علم کی فضیلت و اہمیت اس فکری بنیاد سے جس پر کتب خانے قائم ہوتے ہیں، اور سلاطینِ دہلی کی درس گاہیں برصغیر میں تعلیمی اداروں اور ان کے کتب خانوں کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ ذیل میں ہر عنوان پر الگ مختصر نوٹ پیش کیا جاتا ہے۔

(1) پیپرس

پیپرس ایک آبی پودا ہے جو قدیم مصر میں دریائے نیل کے کناروں پر بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس پودے کے تنے کو کاٹ کر اس کی باریک پرتیں آپس میں جوڑ کر اور دبا کر تحریر کے قابل چادریں تیار کی جاتی تھیں، جنہیں پیپرس کہا جاتا ہے۔ مصری تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح سے پیپرس پر لکھتے رہے اور مصر سے یہ مواد یونان اور روم تک برآمد ہوتا تھا۔ پیپرس پر لکھی گئی تحریریں لپیٹ کر طومار (رول) کی شکل میں محفوظ کی جاتی تھیں اور یہی طومار اسکندریہ کے کتب خانے کی اصل صورت تھے۔ پیپرس ہلکا اور لکھنے میں آسان ضرور تھا مگر یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا تھا اور مرطوب آب و ہوا میں جلد خراب ہو جاتا، اسی لیے بعد میں پارچمنٹ اور پھر کاغذ نے اس کی جگہ لے لی۔ کتب خانوی تاریخ میں پیپرس کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے پہلی بار بڑے پیمانے پر کتابوں کی تیاری اور کتب خانوں کے قیام کو ممکن بنایا۔

(2) کاغذی نشانات

کاغذی نشانات سے مراد کاغذ بنانے والے کارخانوں کے وہ مخصوص نشانات ہیں جو کاغذ کی تیاری کے دوران اس میں ابھرتے تھے اور جنہیں بعد میں واٹر مارک کہا گیا۔ ہر بڑا کارخانہ اپنا امتیازی نشان استعمال کرتا تھا، مثلاً کوئی جانور، حرف، تاج یا کوئی علامت، تاکہ اس کے کاغذ کی پہچان ہو سکے۔ ان نشانات کی مدد سے ماہرین کسی قدیم نسخے کے کاغذ کی تاریخ اور مقامِ تیاری کا اندازہ لگاتے ہیں، جس سے نسخے کی اصالت جانچنے میں مدد ملتی ہے۔ مخطوطات کی تحقیق میں کاغذی نشانات اسی طرح کارآمد ہیں جس طرح خط و کتابت کا

انداز۔ کتب خانوں میں نادر نسخوں کی فہرست سازی کے وقت ان نشانات کا اندراج کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ نسخے کی تاریخی قدر کا تعین کرتے ہیں۔ یوں کاغذی نشانات محض صنعتی علامت نہیں بلکہ کتب خانوی سائنس میں تحقیق کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

(3) علم کی فضیلت و اہمیت

علم انسان کی سب سے بڑی دولت اور تہذیب کی بنیاد ہے۔ اسلام نے علم کو غیر معمولی فضیلت دی ہے: قرآن مجید کی پہلی وحی کا آغاز لفظ اقرا سے ہوا، قلم اور تحریر کی قسم کھائی گئی اور احادیث میں علم کی طلب کو عبادت قرار دیا گیا۔ علم کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر شعور کی روشنی دیتا ہے، معاشرے کو ترقی کی راہ دکھاتا ہے اور قوموں کو زندہ رکھتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے علم کو اہمیت دی وہ دنیا کی رہنما بنیں اور جنہوں نے اس سے منہ موڑا وہ زوال کا شکار ہوئیں۔ کتب خانے اسی علم کی حفاظت اور منتقلی کے ادارے ہیں، اس لیے علم کی فضیلت کا شعور دراصل کتب خانوں کی ضرورت کا شعور ہے۔ ہر دور کے اہلِ علم نے درس گاہوں اور کتب خانوں کے قیام کو اپنا دینی و قومی فریضہ سمجھا۔

(4) سلاطینِ دہلی کے عہد میں درسگاہوں کا قیام

سلطنتِ دہلی کے دور (1206ء تا 1526ء) میں برصغیر میں باقاعدہ درس گاہوں اور مدارس کا جال پھیلا اور ان کے ساتھ کتب خانے بھی قائم ہوئے۔ سلطان التتمش نے دہلی میں مدرسۂ معزیہ قائم کیا، علاؤالدین خلجی کے عہد میں علمی مجالس پروان چڑھیں اور محمد بن تغلق نے دہلی میں بڑی درس گاہیں اور ان سے ملحق کتب خانے بنوائے۔ فیروز شاہ تغلق تعلیم کا خاص شوقین تھا؛ اس نے دہلی میں مدرسۂ فیروز شاہی جیسا عظیم ادارہ حوضِ خاص کے کنارے قائم کیا جہاں رہائش، خوراک اور کتب خانے کی سہولت موجود تھی۔ ان درس گاہوں میں قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ طب، فلکیات اور ادب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ صوبائی دارالحکومتوں میں بھی مدارس قائم ہوئے اور علما کو وظائف ملتے تھے۔ ان اداروں کے کتب خانوں میں اساتذہ اور طلبہ کے ذاتی ذخیرے وقف کی صورت میں جمع ہوتے رہے، جو بعد کے مغل دور کے لیے بنیاد ثابت ہوئے۔

اضافی بحث: ان عنوانات کا آپس میں تعلق

ان چار عنوانات میں ایک پوشیدہ ترتیب موجود ہے۔ پیپرس اور کاغذی نشانات مادی پہلو ہیں: ایک تحریر کا ذریعہ، دوسرا اس ذریعے کی شناخت۔ علم کی فضیلت نظریاتی پہلو ہے جو انسان کو کتاب جمع کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور سلاطین دہلی کی درس گاہیں اس نظریے کا عملی ادارہ جاتی اظہار ہیں۔ جس معاشرے میں مادہ بھی موجود ہو، اس کی پہچان بھی ہو، علم کی قدر بھی ہو اور ادارے بھی ہوں، وہاں کتب خانہ لازماً پروان چڑھتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں جب کبھی ان چار میں سے کوئی عنصر کمزور ہوا، کتب خانے بھی زوال کا شکار ہوئے۔ مثال کے طور پر انگریز دور کے آغاز میں مقامی سرپرستی ختم ہوتے ہی درس گاہوں کے کتب خانے بکھر گئے، حالانکہ کتابیں اور اہل علم موجود تھے۔ اس مثال سے سمجھ آتا ہے کہ کتب خانہ محض تکنیکی ادارہ نہیں، ایک پورا ماحولیاتی نظام ہے جس کے تمام اجزا کا ساتھ چلنا ضروری ہے۔

نتیجہ

چاروں نوٹ مل کر یہ تصویر مکمل کرتے ہیں کہ کتب خانہ محض کتابوں کا گودام نہیں بلکہ ایک تہذیبی سلسلہ ہے: پیپرس جیسے مواد نے کتاب کو شکل دی، کاغذی نشانات نے اس کی شناخت کو محفوظ بنایا، علم کی فضیلت کے شعور نے معاشرے کو اس کی حفاظت پر آمادہ کیا اور سلاطینِ دہلی کی درس گاہوں نے برصغیر میں اس روایت کو ادارہ جاتی صورت دی۔

سوال نمبر 4: کاغذ کی ایجاد، اقسام اور استعمال (15 نمبر)

سوال نمبر 4: کاغذ کی ایجاد، اقسام اور استعمال واضح کریں۔ (15)

تعارف

کاغذ انسانی تاریخ کی ان ایجادات میں سے ہے جنہوں نے علم کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ کاغذ سے پہلے انسان پتھر، مٹی کی تختیوں، پیپرس، پارچمنٹ، بانس اور ریشم پر لکھتا تھا، جو یا تو بھاری تھے، یا مہنگے، یا ناپائیدار۔ سستے، ہلکے اور وافر کاغذ کی آمد نے کتاب کو چند خواص کی ملکیت سے نکال کر عام انسان تک پہنچا دیا۔ اس جواب میں پہلے کاغذ کی ایجاد و ارتقا کی تاریخ بیان کی جائے گی، پھر اس کی اقسام اور تیاری کے مراحل واضح کیے جائیں گے اور آخر میں اس کے استعمالات اور کتب خانوں پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

کاغذ کی ایجاد اور ارتقا

روایت کے مطابق کاغذ کی ایجاد کا سہرا چین کے ایک درباری اہلکار تسائی لون کے سر ہے، جس نے 105ء میں درختوں کی چھال، پرانے کپڑوں، ریشوں اور جالوں کو کوٹ کر گودا بنایا اور اس سے کاغذ تیار کرنے کا طریقہ پیش کیا۔ تاہم آثارِ قدیمہ بتاتے ہیں کہ چین میں اس سے پہلے بھی ابتدائی قسم کا کاغذ موجود تھا۔ چینیوں نے یہ راز صدیوں تک چھپائے رکھا۔ 751ء میں جنگِ طراس کے بعد کچھ چینی کاغذ ساز قیدی بن کر سمرقند پہنچے اور وہاں کاغذ سازی کا پہلا مرکز قائم ہوا، اس لیے سمرقند کا کاغذ صدیوں تک دنیا بھر میں مشہور رہا۔ سمرقند سے یہ فن بغداد پہنچا جہاں 794ء کے قریب کاغذ کی پہلی مل قائم ہوئی، پھر دمشق، مصر، مراکش اور اندلس (اسپین) سے ہوتا ہوا بارہویں صدی میں یورپ پہنچا۔ برصغیر میں مسلمانوں کے ساتھ کاغذ آیا اور مغل دور تک یہاں کے کارخانے قائم ہو چکے تھے۔ انیسویں صدی میں لکڑی کے گودے اور مشینی تیاری نے کاغذ کو انتہائی سستا اور وافر بنا دیا۔

کاغذ کی تیاری کا عمومی طریقہ

کاغذ کی تیاری کا بنیادی اصول ہر دور میں ایک ہی رہا ہے: ریشے دار مواد کو کوٹ اور بھگو کر گودا بنایا جاتا ہے، اس گودے کو چھلنی نما سانچے پر پھیلا کر پانی نکالا جاتا ہے، پھر تہہ کو دبا کر سکھایا جاتا ہے اور آخر میں سطح کو ہموار و چکنا کیا جاتا ہے تاکہ اس پر سیاہی نہ پھیلے۔ قدیم دور میں خام مال کے طور پر سن، کپاس، پرانے کپڑے اور بانس استعمال ہوتے تھے،

جبکہ جدید دور میں لکڑی کا گودا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ہاتھ سے بنا کاغذ آج بھی نفاست کے لیے استعمال ہوتا ہے، مگر بڑے پیمانے کی ضروریات مشینی کاغذ ہی پوری کرتا ہے۔ تیاری کے یہ مراحل سمجھنے سے طالب علم کو قدیم نسخوں کی مادی ساخت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

کاغذ کی اقسام

کاغذ کی اقسام کو کئی اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ خام مال کے اعتبار سے کاغذ کی بڑی قسمیں یہ ہیں: کپڑے (لینن و کاٹن) سے بنا کاغذ جو مضبوط اور دیرپا ہوتا ہے اور قانونی دستاویزات و نادر کتابوں کے لیے موزوں ہے؛ لکڑی کے گودے سے بنا عام کاغذ جو سستا مگر نسبتاً کم عمر ہوتا ہے اور اخبارات و عام کتابوں میں استعمال ہوتا ہے؛ بانس اور گھاس سے بنا کاغذ جو ایشیا میں عام رہا؛ اور دستی کاغذ جو چھوٹے کارخانوں میں تیار ہوتا ہے۔ استعمال کے اعتبار سے بھی کاغذ کی قسمیں ہیں: تحریری و طباعتی کاغذ، آرٹ پیپر، کارڈ و گتہ، ٹشو اور پیکنگ پیپر۔ وزن اور موٹائی کے حساب سے بھی کاغذ کو گرام فی مربع میٹر میں ناپا جاتا ہے۔ کتب خانے کے منتظم کے لیے یہ اقسام اس لیے اہم ہیں کہ کتاب کی عمر، مرمت اور حفاظت کا فیصلہ کاغذ کی نوعیت دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر تیزابی لکڑی والے کاغذ پر چھپی پرانی کتابیں جلد بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔

کاغذ کے استعمالات

کاغذ کا سب سے بڑا استعمال تحریر و طباعت ہے: کتابیں، رسائل، اخبارات، دفتری ریکارڈ، خط کتابت اور تعلیمی مواد سب کاغذ پر ہی منتقل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کاغذ کرنسی نوٹوں، قانونی اسٹامپوں، نقشوں، تصاویر، پیکنگ، اشتہارات اور گھریلو استعمال کی بے شمار اشیا میں کام آتا ہے۔ کاغذ نے تعلیم کو عام کیا، اخبار نے رائے عامہ بنائی، دفتری نظام کو ریکارڈ کی بنیاد ملی اور ادب و تحقیق کو وہ ذریعہ ملا جس سے ایک نسل کا علم اگلی نسل تک پہنچا۔ آج ڈیجیٹل دور میں بھی کاغذ کی اہمیت ختم نہیں ہوئی، البتہ اس کے بعض استعمالات کمپیوٹر کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔

کاغذ اور کتب خانے

کاغذ اور کتب خانے کا رشتہ بنیادی ہے۔ پیپرس اور پارچمنٹ کے دور میں کتاب اتنی مہنگی تھی کہ بڑے کتب خانے صرف ریاستوں کے پاس تھے، لیکن کاغذ کی ارزانی نے کتابوں کی تعداد میں ہزاروں گنا اضافہ کر دیا، نجی اور عوامی کتب خانے ممکن ہوئے اور کتاب ہر طالب علم کی پہنچ میں آ گئی۔ بغداد، قرطبہ اور بعد میں یورپ کے کتب خانوں کی وسعت دراصل کاغذ ہی کی مرہونِ منت تھی۔ دوسری طرف کاغذ کی کم عمری نے کتب خانوں کے سامنے حفاظت و مرمت کے نئے مسائل بھی کھڑے کیے، جن کے حل کے لیے آج تحفظ (Preservation) کا پورا شعبہ قائم ہے۔

کاغذ کے ماحولیاتی و معاشی پہلو

جدید دور میں کاغذ پر ایک اور بحث بھی جاری ہے: اس کی تیاری میں جنگلات کی کٹائی اور پانی کا استعمال ماحولیاتی سوالات پیدا کرتا ہے، جس کے جواب میں ری سائیکل شدہ کاغذ اور ڈیجیٹل اشاعت کو فروغ مل رہا ہے۔ پاکستان جیسے ممالک میں کاغذ کی درآمد پر انحصار کتاب کی قیمت کو ڈالر کی قیمت سے جوڑ دیتا ہے، اس لیے مقامی کاغذ سازی کی صنعت کی ترقی کو اشاعتی خود کفالت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ کتب خانے کے منتظم کے لیے اس بحث کی اہمیت یہ ہے کہ ذخیرے کی پالیسی طے کرتے وقت پرنٹ اور ڈیجیٹل کے درمیان توازن اب اسی معاشی و ماحولیاتی پس منظر میں طے ہوتا ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ کاغذ کی ایجاد نے علم کو محدود حلقے سے نکال کر عام کر دیا۔ چین سے شروع ہو کر سمرقند و بغداد سے گزرتا ہوا یہ فن پوری دنیا میں پھیلا، اس کی اقسام خام مال اور استعمال کے تنوع کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے استعمالات نے تعلیم، صحافت، دفتر اور کتب خانے سمیت ہر شعبے کو بدل کر رکھ دیا۔ کاغذ کے بغیر جدید کتب خانے کا تصور ممکن نہیں تھا۔

سوال نمبر 5: کتب خانہ اسکندریہ (10 نمبر)

سوال نمبر 5: کتب خانہ اسکندریہ پر تفصیل سے لکھیں۔ (10)

تعارف

کتب خانہ اسکندریہ قدیم دنیا کا سب سے عظیم اور مشہور کتب خانہ تھا، جسے اکثر کتب خانوں کی تاریخ میں اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے۔ مصر کے شہر اسکندریہ میں قائم یہ کتب خانہ محض کتابوں کا ذخیرہ نہیں تھا بلکہ ایک مکمل علمی جامعہ تھا جہاں تحقیق، ترجمہ، تنقید اور تدریس سے کچھ ہوتا تھا۔ اس جواب میں اس کے قیام، تنظیم، ذخیرے، علمی خدمات اور زوال کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قیام اور سرپرست

سکندرِ اعظم نے 331 قبل مسیح میں اسکندریہ شہر کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد مصر پر بطلیموس خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ بطلیموس اول (سوٹر) نے تقریباً 295 قبل مسیح میں میوزیم (موزیون) نامی علمی ادارے کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ کتب خانے کا آغاز کیا، جبکہ بطلیموس دوم (فلاڈیلفس) کے دور میں کتب خانہ اپنے عروج کو پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ اس منصوبے میں ارسطو کے شاگرد دیمتریوس آف فالیرم نے مشیر کا کردار ادا کیا اور ارسطو کے ذاتی کتب خانے کو نمونہ بنایا گیا۔ حکمرانوں کا مقصد اسکندریہ کو ایتھنز کے مقابلے میں دنیا کا علمی دارالحکومت بنانا تھا۔

ذخیرہ اور حصولِ کتب

کتب خانے کا ذخیرہ اپنے عروج پر لاکھوں طوماروں پر مشتمل بتایا جاتا ہے؛ مختلف روایات میں چار لاکھ سے سات لاکھ تک طوماروں کا ذکر ملتا ہے۔ حصولِ کتب کے لیے حکمرانوں نے غیر معمولی طریقے اختیار کیے: اسکندریہ کی بندرگاہ پر آنے والے ہر جہاز کی کتابیں ضبط کر کے نقل کرائی جاتی تھیں اور اصل نسخے کتب خانے میں رکھ کر نقل مالک کو واپس

کی جاتی تھی؛ ایتھنز سے سوفکلیز اور یوریپیڈیز کے سرکاری نسخے بھاری ضمانت پر منگوا کر رکھ لیے گئے؛ اور کتابوں کی خریداری کے لیے ایجنٹ دنیا بھر میں بھیجے جاتے تھے۔ روڈز اور پرگامم کے کتب خانوں سے مقابلے کی فضا نے بھی ذخیرے میں اضافہ کیا۔

تنظیم اور فہرست سازی

اسکندریہ کے کتب خانے کی سب سے بڑی خدمت کتابوں کی منظم فہرست سازی ہے۔ مشہور شاعر و عالم کالیماخس نے ذخیرے کی موضوعاتی فہرست تیار کی جو پیناکس (Pinakes) کہلاتی ہے اور جسے دنیا کی پہلی منظم کتابیات (Bibliography) سمجھا جاتا ہے۔ اس فہرست میں مصنفین کے نام حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج تھے اور کتابوں کو موضوعات میں بانٹا گیا تھا۔ کتب خانے کے سربراہ کا عہدہ بڑے عالم کو ملتا تھا؛ زینوڈوٹس، اراتوستھینیس اور ارستارخس جیسے نامور علما اس عہدے پر فائز رہے۔ ملحقہ سیر اپیئم مندر میں ذیلی کتب خانہ بھی قائم تھا جسے کتب خانے کی بیٹی کہا جاتا ہے۔

علمی خدمات

کتب خانے سے وابستہ علما کو رہائش، خوراک اور وظائف ملتے تھے اور وہ تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں ہومر کے کلام کی تنقیدی تدوین ہوئی، یوکلید نے جیومیٹری کی بنیادیں رکھیں، اراتوستھینیس نے زمین کا محیط ناپا اور طب و فلکیات میں اہم کام ہوا۔ یہودی صحائف کا یونانی ترجمہ (سیپٹواجنٹ) بھی اسی علمی فضا کی پیداوار بتایا جاتا ہے۔ گویا اسکندریہ کا کتب خانہ آج کی تحقیقی جامعہ کا قدیم نمونہ تھا جہاں ذخیرہ اور تحقیق لازم و ملزوم تھے۔

زوال اور تباہی

کتب خانے کا زوال بتدریج ہوا۔ 48 قبل مسیح میں جولیس سیزر کے محاصرے کے دوران بندرگاہ کے قریب آگ لگنے سے ذخیرے کا بڑا حصہ ضائع ہوا۔ بعد کی صدیوں میں سیاسی انتشار، مذہبی تنازعات اور حملوں نے رہی سہی کسر نکال دی اور سیر اپیئم کا ذیلی کتب خانہ بھی چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں تباہ ہو گیا۔ یوں یہ عظیم ادارہ آہستہ آہستہ

صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، تاہم اس کی شہرت آج تک زندہ ہے۔ جدید مصر نے اس کی یاد میں 2002ء میں اسکندریہ میں عظیم الشان نیا کتب خانہ (Bibliotheca Alexandrina) قائم کیا ہے۔

کتب خانہ اسکندریہ کی میراث

اسکندریہ کے کتب خانے کی اصل میراث اس کی کتابیں نہیں، جو مٹ گئیں، بلکہ اس کے اصول ہیں جو زندہ رہ گئے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ کتب خانہ ریاست کی ثقافتی پالیسی کا مرکزی ادارہ ہو سکتا ہے۔ دوسرا اصول مجموعہ سازی کی ہمہ گیریت ہے: اسکندریہ نے زبان و قوم کی تفریق کے بغیر ہر کتاب جمع کی، یہاں تک کہ دوسری قوموں کے صحائف کے ترجمے بھی کرائے۔ تیسرا اصول عالم کی عزت ہے: کتب خانے سے وابستہ عالم کو معاشرے میں وہ مقام ملا جو آج جامعات کے ممتاز اساتذہ کو ملتا ہے۔ چوتھا اصول فہرست سازی کی اہمیت ہے: کالیماخس کے پیناکس نے ثابت کیا کہ ذخیرہ جب تک منظم فہرست میں نہ ڈھلے، وہ علمی سرمایہ نہیں بنتا۔ یہ چاروں اصول آج کے قومی و جامعاتی کتب خانوں کی پالیسیوں میں زندہ ہیں، اس لیے اسکندریہ کو محض تاریخی واقعہ نہیں بلکہ جدید کتب خانہ سائنس کا بانی ادارہ کہا جاتا ہے۔ جدید Bibliotheca Alexandrina کا قیام بھی اسی میراث کو زندہ کرنے کی کوشش ہے، جس میں آج لاکھوں کتابوں کے ساتھ مخطوطات کا عجائب گھر اور ڈیجیٹل ذخیرہ بھی موجود ہے۔

اسکندریہ سے سبق

آخر میں یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسکندریہ کی تباہی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ علم کا ذخیرہ ایک جگہ جمع کرنا اس کی حفاظت کی ضمانت نہیں ہوتا۔ اگر نسخے کئی جگہ موجود ہوں تو تباہی کے بعد بھی علم بچ جاتا ہے۔ یہی اصول آج ڈیجیٹل دور میں بیک اپ اور کثیر المقامی ذخیرے کی صورت میں اپنایا جا رہا ہے، گویا دو ہزار سال پرانے اس المیے نے جدید تحفظی پالیسی کو جنم دیا۔

اسکندریہ اور پرگامم کی رقابت

اسکندریہ کی تاریخ کا ایک دلچسپ پہلو اناطولیہ کے شہر پرگامم کے کتب خانے سے اس کی رقابت ہے۔ دونوں ریاستوں کے حکمران کتابیں جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے، حتیٰ کہ روایت ہے کہ مصر نے پرگامم کو پیپرس کی برآمد روک دی، جس کے جواب میں وہاں پارچمنٹ (چمڑے کی جھلی) کو ترقی دی گئی اور اس کا نام ہی پرگامم سے منسوب ہوا۔ اس رقابت نے کتابیات، نسخوں کی حفاظت اور تحریری مواد کی جدت کو تیز کیا۔ کتب خانوں کی تاریخ میں یہ مثال بتاتی ہے کہ صحت مند مقابلہ علم کی ترقی کا ذریعہ بن سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا میدان ذخیرے کی وسعت و خدمت ہو، نہ کہ محض ظاہری شان۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ نے کتب خانہ سازی کو ذاتی ذخیرے سے نکال کر ریاستی و تحقیقی ادارے کی شکل دی۔ حصولِ کتب کی جارحانہ پالیسی، کالیماخس کی فہرست سازی اور علما کی سرپرستی اس کے وہ کارنامے ہیں جن پر جدید کتب خانوی سائنس کی بنیاد قائم ہے۔ اس کی تباہی تاریخ کا بڑا المیہ ہے، مگر اس کا نمونہ آج بھی ہر بڑے کتب خانے کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

سوال نمبر 6: فاطمی دور کے کتب خانے؛ مسلم دور کے کتب خانوں کا قیام، نظام اور خدمات (15 نمبر)

سوال نمبر 6: فاطمی دور کے کتب خانوں پر تاریخی تبصرہ کریں۔ نیز مسلم دور کے کتب خانوں کا قیام، نظام اور خدمات بیان کریں۔ (15)

تعارف

مسلم تہذیب میں کتب خانہ ایک مرکزی ادارہ رہا ہے۔ مساجد سے شروع ہونے والی یہ روایت عباسی دارالحکومت بغداد، اندلس کے قرطبہ اور فاطمی مصر کے قاہرہ میں اپنے عروج کو پہنچی۔ اس جواب کے پہلے حصے میں فاطمی دور کے کتب خانوں کا تاریخی تبصرہ پیش کیا جائے گا اور دوسرے حصے میں عمومی طور پر مسلم دور کے کتب خانوں کے قیام، نظام اور خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

فاطمی دور کا پس منظر

فاطمی خلافت (909ء تا 1171ء) نے پہلے تیونس اور پھر مصر میں حکومت قائم کی۔ 969ء میں جوہر صقلی نے قاہرہ شہر کی بنیاد رکھی اور خلیفہ المعز لدین اللہ یہاں منتقل ہوا۔ فاطمی خلفا اسماعیلی مسلک کے داعی بھی تھے اور حکمران بھی، اس لیے انہوں نے علم و تبلیغ کو ریاستی پالیسی بنایا۔ جامع الازہر کی بنیاد (970ء) اسی پالیسی کا آغاز تھا جو آگے چل کر دنیا کی قدیم ترین جامعات میں سے ایک بنی۔ اس علمی فضا میں کتب خانے فاطمی ریاست کے نمایاں ادارے بن گئے۔

دارالعلم اور شاہی کتب خانہ

فاطمی کتب خانوں میں سب سے مشہور قاہرہ کا دارالعلم ہے جو خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے 1005ء میں قائم کیا۔ یہ محض کتب خانہ نہیں تھا بلکہ ایک علمی اکیڈمی تھی جہاں فقہ، طب، فلکیات، ریاضی اور ادب کی تعلیم دی جاتی، علما کو وظائف ملتے اور عوام کے لیے مطالعے کی سہولت موجود تھی۔ اس کے علاوہ قاہرہ کے شاہی محل کا کتب خانہ ذخیرے کے اعتبار سے دنیا کے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا؛ روایات میں یہاں لاکھوں مجلدات کا ذکر ملتا ہے جن میں مصحفوں کے نادر نسخے، سونے کے پانی سے لکھی کتابیں اور علمی آلات شامل تھے۔ خلیفہ المستنصر کے دور میں لائبریرین ابن عبدالعزیز کی نگرانی میں ذخیرے کی عمدہ تنظیم کا ذکر تاریخی مآخذ میں ملتا ہے۔

فاطمی کتب خانوں کا زوال

فاطمی اقتدار کے آخری دور میں سیاسی انتشار اور قحط نے کتب خانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ گیارہویں صدی کے وسط میں ترک فوجیوں کی لوٹ مار میں شاہی کتب خانے کا بڑا ذخیرہ برباد ہوا؛ کتابوں کی جلدوں سے جوتے بنانے کی روایات اس تباہی کی شدت ظاہر کرتی ہیں۔ 1171ء میں صلاح الدین ایوبی نے فاطمی خلافت ختم کی تو باقی ماندہ ذخیرہ مختلف مدارس اور اداروں میں تقسیم ہو گیا۔ یوں فاطمی کتب خانے ختم ہو گئے مگر دار العلم اور الازہر کی صورت میں ان کی علمی روایت زندہ رہی۔

مسلم دور کے کتب خانوں کا قیام

مسلم دور میں کتب خانے کئی طرح سے قائم ہوتے تھے۔ سب سے پہلا ذریعہ مسجد تھی، جہاں مصاحف اور دینی کتب کا ذخیرہ ہر مسجد کے ساتھ موجود ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ حکمرانوں کی سرپرستی تھا: خلفا، سلطان اور امراء محلات میں شاہی کتب خانے قائم کرتے اور علما کو ملازم رکھتے تھے۔ تیسرا ذریعہ وقف تھا؛ اہلِ ثروت اور علما اپنی کتابیں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے لیے وقف کر دیتے تھے اور وقف نامے میں ان کی حفاظت و استعمال کی شرائط درج ہوتی تھیں۔ چوتھا ذریعہ ذاتی کتب خانے تھے جو بڑے علما، وزرا اور طبیبوں کے گھروں میں قائم ہوتے اور بعد میں عوامی اداروں میں منتقل ہو جاتے تھے۔ مدارس، بیمارستان (شفاخانے) اور رصد گاہوں کے ساتھ بھی کتب خانے لازماً قائم کیے جاتے تھے۔

مسلم دور کے کتب خانوں کا نظام

ان کتب خانوں کا نظام حیران کن حد تک منظم تھا۔ کتب خانے کا سربراہ خازن یا امین کہلاتا تھا، جس کے ماتحت کاتب، ناسخ، مصحح، جلد ساز اور خدمت گار کام کرتے تھے۔ کتابوں کی فہرستیں تیار کی جاتی تھیں، ذخیرے کو موضوعات کے اعتبار سے الماریوں میں رکھا جاتا اور ہر کتاب پر وقف کی مہر اور کتب خانے کی علامت ثبت ہوتی تھی۔ کتاب جاری کرنے کے اصول بھی موجود تھے: بعض کتب خانوں میں کتاب صرف اندر بیٹھ کر پڑھی جا سکتی تھی، بعض میں ضمانت لے کر گھر لے جانے کی اجازت تھی۔ کاغذ، روشنائی اور نقل کی سہولتیں داریں فراہم کرتی تھیں تاکہ طلبہ اپنے لیے نسخے تیار کر سکیں۔ سالانہ جانچ پڑتال اور مرمت کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔

مسلم دور کے کتب خانوں کی خدمات

ان کتب خانوں کی خدمات آج کے کتب خانوں سے ملتی جلتی تھیں۔ مطالعے کی جگہ اور روشنی کا انتظام، کتابوں کی نقل و ترجمے کی سہولت، علما کے دروس اور مباحث کی مجالس، اور دور دراز سے آنے والے طالب علموں کے لیے رہائش و خوراک کے ان اداروں کی خدمات میں شامل تھا۔ ترجمے کی تحریک کے ذریعے یونانی، فارسی اور سنسکرت علوم عربی میں منتقل ہوئے اور پھر یہی ذخیرہ یورپ پہنچ کر نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بنا۔ کتب خانوں نے مذہبی و سائنسی علوم کی حفاظت اس دور میں کی جب یورپ تاریک دور سے گزر رہا تھا، اس لیے ان کی خدمات کو عالمی تہذیب کی حفاظت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقابلی جائزہ: بغداد، قرطبہ اور قاہرہ

مکمل تصویر کے لیے فاطمی قاہرہ کو اس کے ہم عصر مراکز سے ملا کر دیکھنا چاہیے۔ عباسی بغداد میں بیت الحکمت خلیفہ کی سرپرستی میں ترجمے و تحقیق کا مرکز تھا؛ اموی قرطبہ میں خلیفہ الحکم دوم کا کتب خانہ چار لاکھ جلدوں تک مشہور ہوا؛ اور فاطمی قاہرہ میں دارالعلم نے تعلیم کو عوام کے لیے کھولنے کی سمت قدم بڑھایا۔ تینوں مراکز میں مشترکہ باتیں یہ تھیں: حکمران کی سرپرستی، وقف کا نظام، کاتبوں و مترجمین کی بڑی جماعت اور موضوعاتی تنوع۔ فرق یہ تھا کہ قاہرہ کے دارالعلم میں عام طالب علم کی رسائی نسبتاً زیادہ دستاویزی صورت میں ملتی ہے۔ ان تینوں مراکز سے گزر کر آنے والے نسخے بعد میں یورپی جامعات تک پہنچے، جس سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کو مواد ملا۔ یوں مسلم دور کے کتب خانے صرف اسلامی تہذیب کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی علمی ترقی کے امین ثابت ہوئے، اور فاطمی دور اس سلسلے کی درمیانی و اہم کڑی ہے۔

نتیجہ

فاطمی دارالعلم اور شاہی کتب خانہ مسلم کتب خانوی روایت کے عروج کی مثال ہیں، اور عمومی مسلم دور کے کتب خانے اپنے قیام کے متنوع ذرائع، منظم نظام اور وسیع خدمات کی بنا پر جدید کتب خانے کے پیش رو کہلانے کے مستحق ہیں۔ وقف کا نظام ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھا جس نے کتب خانے کو کسی فرد کی ملکیت کے بجائے قوم کی امانت بنا دیا۔

سوال نمبر 7: تعلیمی پالیسی اور قومی تعلیمی کمیشن رپورٹ 1959ء (10 نمبر)

سوال نمبر 7: تعلیمی پالیسی کیا ہے؟ قومی تعلیمی کمیشن رپورٹ 1959ء کا جائزہ لیں۔ (10)

تعارف

کسی بھی ملک کی ترقی کا انحصار اس کی تعلیمی پالیسی پر ہوتا ہے، کیونکہ یہی پالیسی طے کرتی ہے کہ نئی نسل کو کیا پڑھایا جائے گا، کیسے پڑھایا جائے گا اور اس تعلیم کا مقصد کیا ہو گا۔ پاکستان کو قیام کے وقت سے ہی تعلیمی مسائل کا سامنا رہا، جن کے حل کے لیے مختلف کمیشن اور پالیسیاں بنتی رہیں۔ اس جواب میں پہلے تعلیمی پالیسی کی تعریف و اہمیت بیان کی جائے گی اور پھر 1959ء کے قومی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تعلیمی پالیسی کی تعریف

تعلیمی پالیسی سے مراد حکومت کی طرف سے طے کردہ وہ اصول، مقاصد اور لائحہ عمل ہے جس کے تحت ملک کا تعلیمی نظام چلایا جاتا ہے۔ یہ پالیسی نصاب، ذریعہ تعلیم، امتحانات، اساتذہ کی تربیت، تعلیمی ڈھانچے اور مالی وسائل سمیت تمام بڑے سوالات کے جواب دیتی ہے۔ اچھی تعلیمی پالیسی قومی مقاصد، مذہبی و ثقافتی اقدار اور معاشی ضروریات کو یکجا کرتی ہے۔ یہ محض دستاویز نہیں ہوتی بلکہ پوری قوم کی سمت کا تعین کرتی ہے، اسی لیے اس کی تیاری میں ماہرینِ تعلیم، اساتذہ اور معاشرے کے تمام طبقات کی رائے شامل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد تعلیمی صورت حال

1947ء میں پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقے تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے: خواندگی کی شرح نہایت کم تھی، اسکول و کالج کم تھے اور جامعات گنتی کی تھیں۔ 1947ء میں کراچی میں پہلی تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں قائداعظم نے تعلیم کو ریاستی ترجیح قرار دیا۔ اس کے بعد اصلاحات کی کئی کوششیں ہوئیں، لیکن جامع جائزے کی ضرورت باقی رہی۔ یہی ضرورت 1958ء کے بعد نئی حکومت نے محسوس کی اور ایک قومی کمیشن قائم کیا گیا۔

قومی تعلیمی کمیشن 1959ء کا قیام

حکومتِ پاکستان نے دسمبر 1958ء میں صدر کی سربراہی میں قومی تعلیمی کمیشن قائم کیا، جس کے چیئرمین اس وقت کے سیکرٹری تعلیم ایس ایم شریف تھے، اسی لیے اسے شریف کمیشن بھی کہا جاتا ہے۔ کمیشن نے ملک بھر کا دورہ کر کے اساتذہ، طلبہ اور ماہرین کی رائے لی اور اگست 1959ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ آزاد پاکستان کی تعلیمی تاریخ میں پہلی جامع دستاویز تھی جس نے پرائمری سے جامعہ تک پورے نظام کا جائزہ لیا۔

رپورٹ کی اہم سفارشات

کمیشن کی اہم سفارشات میں یہ باتیں شامل تھیں: مادری زبان اور اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اور انگریزی کو بتدریج محدود کیا جائے؛ پرائمری تعلیم کو لازمی اور مفت کرنے کی سمت پیش رفت کی جائے؛ ثانوی سطح پر سائنس اور تکنیکی تعلیم پر زور دیا جائے؛ اساتذہ کی تربیت اور ان کی مالی حالت بہتر بنائی جائے؛ جامعات میں تحقیق کو فروغ اور خود مختاری دی جائے؛ امتحانی نظام میں اصلاح کر کے اندرونی جانچ کو اہمیت دی جائے؛ اور دینی و اخلاقی اقدار کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ کمیشن نے تعلیمی ڈھانچے میں میٹرک تک دس سالہ اور اس کے بعد انٹرمیڈیٹ و ڈگری کے مراحل کی تجویز بھی دی اور حرفتی تعلیم کو عام تعلیم سے جوڑنے پر زور دیا۔

رپورٹ کا جائزہ و اثرات

اس رپورٹ کی خوبی یہ تھی کہ یہ محض تجاویز نہیں بلکہ قابلِ عمل لائحہ عمل پیش کرتی تھی۔ اس کی کئی سفارشات پر عمل ہوا: اردو ذریعہ تعلیم کی تحریک آگے بڑھی، اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا، سائنس کی تعلیم کو وسعت ملی اور جامعات میں توسیع ہوئی۔ تاہم کمیشن پر تنقید بھی ہوئی کہ اس نے تعلیم کو حد سے زیادہ ریاستی مقاصد سے جوڑ دیا، پرائیویٹ اداروں پر قدغن کی فضا پیدا کی اور بعض سفارشات وسائل کی کمی کے باعث کاغذ تک محدود رہیں۔ ان خامیوں کے باوجود رپورٹ نے 1970ء اور بعد کی پالیسیوں کے لیے فکری بنیاد فراہم کی اور کتب خانوں سمیت تعلیمی سہولتوں کی ترقی کا سوال قومی بحث کا حصہ بنا۔ کتب خانوی نقطہ نظر سے اہم بات یہ ہے کہ کمیشن نے تعلیمی اداروں میں مطالعے کی عادت اور کتب خانوں کو سیکھنے کے عمل کا لازمی جزو قرار دیا، جس سے ادارہ جاتی کتب خانوں کی ترقی کی راہ کھلی۔

کتب خانوں کے تناظر میں رپورٹ کی اہمیت

کتب خانوی نقطہ نظر سے اس رپورٹ کا خاص جائزہ ضروری ہے۔ کمیشن نے تعلیم کو محض کلاس روم تک محدود نہیں سمجھا بلکہ مطالعے کی سہولت کو سیکھنے کے عمل کا حصہ قرار دیا۔ اس سفارش کا عملی اثر یہ ہوا کہ نئے بننے والے اسکولوں و کالجوں کے نقشوں میں کتب خانے کی جگہ شامل ہونے لگی اور جامعات کے مرکزی کتب خانوں کو توسیع ملی۔ تاہم مالی ترجیحات میں کتب خانہ ہمیشہ پیچھے رہا، جس کی وجہ سے کمیشن کی سوچ اور عملی صورت حال میں فاصلہ باقی رہا۔ طالب علم کے لیے یہ رپورٹ آج بھی اس لیے اہم ہے کہ اس کے بغیر پاکستان کی تعلیمی تاریخ کا پہلا باب نامکمل رہتا ہے، اور یہ سمجھ نہیں آتا کہ بعد کی پالیسیاں کن بنیادوں پر کھڑی ہوئیں اور کن مسائل کا تسلسل آج تک جاری ہے۔

رپورٹ کی زبان و نصاب سے متعلق بحث

رپورٹ کا ایک اور پہلو زبان کے سوال کو حل کرنا تھا۔ کمیشن نے ابتدائی تعلیم مادری زبان میں، قومی یکجہتی کے لیے اردو کو مرکزی حیثیت اور انگریزی کو بین الاقوامی ضرورت کے طور پر محدود رکھنے کا فارمولا دیا۔ یہ بحث آج ستر برس بعد بھی پاکستانی تعلیمی سیاست کا زندہ موضوع ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمیشن نے جن سوالات کو چھوا تھا وہ وقتی نہیں بلکہ ساختی نوعیت کے تھے۔ اسی پائیداری نے اس رپورٹ کو ایک تاریخی دستاویز سے بڑھا کر حوالہ جاتی اساس بنا دیا ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی پالیسی قوم کی مستقبل سازی کا نقشہ ہوتی ہے، اور 1959ء کا شریف کمیشن پاکستان کی اسی نقشہ سازی کی پہلی سنجیدہ اور جامع کوشش تھا۔ اس کی رپورٹ نے اردو ذریعہ تعلیم، سائنس و تکنیکی تعلیم، اساتذہ کی حالت اور تحقیق فروغ جیسے مسائل کو قومی ایجنڈے پر رکھا۔ آج کی تعلیمی پالیسیوں کو سمجھنے کے لیے اس رپورٹ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com